اعلیٰ تعلیم: مرد، عورت میں عدم توازن؟

عابدہ فرحین ○

پاکستان کی ۷۰ سالہ تاریخ پہ نظر ڈالیں تو ترقی کی راہ میں جو رکاوٹیں نظر آتی ہیں، ان میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہمارے معاشرے کا افراط وتفریط کا شکار ہونا بھی ہے۔ جب تک ہم ایک ذمہ دار قوم کی طرح بغیر کسی دباؤ کے اپنی ضروریات اور حقیقی ترجیحات کے مطابق فیصلے اور طرزِعمل نہیں اختیار کریں گے، اس وقت تک ترقی کا سفر طے کرنا مشکل ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارے معاشرے میں عورت (جو کسی بھی معاشرے کا کلیدی کردار ہے) کے متعلق مختلف اور حد درجہ متحارب ومتضاد تصورات ہیں۔ تاہم، گذشتہ دو عشروں سے اس رجحان میں کافی تبدیلی آئی ہے۔ اگرچہ دیہات میں اب تک صورتِ حال کافی گھمبیر ہے، لیکن شہروں میں تعلیم کے باعث اور کچھ گلوبل ایجنڈے پہ عمل درآمد کے دباؤ کی وجہ سے تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اب پہلے کی نسبت عورت کو نہ صرف جلد انصاف ملنے لگا ہے اور اس کے حقوق کا شعور بھی بیدار ہونے لگا ہے، نیز اس کے مسائل کو اہمیت ملنے لگی ہے، بلکہ وہاں تعلیم اور روزگار کے مواقع میں بھی کشادگی پیدا ہوئی ہے۔

الحمدللہ، یہ سب کچھ بہت خوش آیند ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا معاشرہ عورت کو ایک استحصال سے نکال کر دوسرے استحصال کی طرف دھکیل دے۔ مستقبل کے منظرنامے پر نظر ڈال کر سوچنا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہم کیا کریں کہ عدم توازن کا شکار ہوئے بغیر توازن اور ترقی کا سفر بہ آسانی طے ہوسکے اور اس کے لیے ہم خود بھی بحیثیت فرد یا گروہ اپنا فعال کردار ادا کرسکیں۔ ریاستی سطح پر اب الحمدللہ، اعلیٰ تعلیم

○ صدر، ورکنگ ویمن ویلفیئر آرگنائزیشن، پاکستان

کے میدان میں طلبہ وطالبات کو یکساں مواقع حاصل ہیں۔ اس وقت ملک میں بشمول کشمیر اور گلگت اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۸۷ سرکاری اور غیرسرکاری یونی ورسٹیاں کام کر رہی ہیں، جب کہ خواتین کی ۱۰ علیحدہ یونی ورسٹیوں کے باعث ان کو مزید بھی مواقع حاصل ہیں۔

پاکستان میں عمومی سطح پر اب یہ تصور پرانی بات لگتا ہے کہ 'لڑکیوں کو پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے؟' اب یہ سمجھا جاتا ہے: معاشرے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ مردوں کی۔ اعلیٰ تعلیم فرد کے علم و ہنر اور کام کرنے کی استعداد میں اضافہ کرتی ہے۔ خواتین خواہ وہ گھر کی ذمہ داریاں سنبھالیں، بچوں کی نگہداشت کریں، یا گھر سے باہر ملازمت وغیرہ، ہر جگہ تعلیم ان کو آگے بڑھاتی ہے۔ نہ صرف گھر یا تعلیم اور طب جیسے میدانوں میں خواتین کی ضرورت ہے بلکہ صحافت، قانون، نفسیات، حتیٰ کہ بعض صورتوں میں سکیورٹی، ریسرچ، سائنس، سوشل سائنس جیسے شعبوں میں خواتین کی موجودگی کی ضرورت ہے۔

مردوں اور عورتوں میں معاشی عدم توازن

چند لمحے کے لیے اسے ایک حوصلہ افزا پہلو سمجھ بھی لیا جائے تو اس کے ساتھ ساتھ ایک گھمبیر مسئلہ بھی سر اٹھا رہا ہے، جو مستقبل کے منظرنامے کی خوف ناک تصویر کشی کرتا ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں طلبہ وطالبات کا تناسب عدم توازن کا شکار ہے۔

ہمارے ہاں لڑکیوں میں محنت سے آگے بڑھنے کا جذبہ نسبتاً زیادہ دکھائی دیتا ہے، جب کہ مردوں کے آگے بڑھنے کے راستے میں اگرچہ کوئی طبعی رکاوٹ موجود نہیں ہے، مگر اس کے باوجود اعلیٰ تعلیم میں ان کا گراف تیزی سے نیچے گر رہا ہے۔ اس چیز کا اندازہ امتحانی نتائج اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کے داخلوں میں لڑکوں کے پیچھے رہ جانے سے ہوتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم میں مردوں اور عورتوں کا تناسب دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر یونی ورسٹیوں میں لڑکیوں کی تعداد ۷۰ فی صد سے زیادہ ہے اور میڈیکل یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں اس سے بھی زیادہ، جب کہ خواتین یونی ورسٹیوں میں پڑھنے والی طالبات کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

اعلیٰ تعلیم میں مردوں اور عورتوں کے تناسب کا اندازہ درج ذیل شواہد سے بخوبی کیا جاسکتا ہے:

۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۴ء میں کراچی یونی ورسٹی میں لڑکیوں کی تعداد ۷۳ فی صد، جب کہ

لڑکوں کا تناسب ۲۷ فی صد تھا۔ اسی طرح این ای ڈی انجینیرنگ یونی ورسٹی میں ۵۰، ۵۰ فی صد کا تناسب تھا (یادرہے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں میں یہاں پر طالبات کا تناسب ۴ اور ۸ فی صد تھا)۔ پنجاب یونی ورسٹی کے زیادہ تر شعبوں میں نمایاں طور پر طالبات کی برتری دوتہائی سے زیادہ آرہی ہے۔ ۲۰۱۷ء کے اعداد و شمار کے مطابق قائداعظم یونی ورسٹی میں، ایم ایس سی کورسز میں طالبات کی تعداد ۵۳۱۷، جب کہ طلبہ ۱۴۷۴ تھی۔ ایم فل میں بھی طالبات کی تعداد غیرمعمولی طور پر زیادہ رہی۔

پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل کے مطابق مجموعی طور پر میڈیکل کی تعلیم میں خواتین کا تناسب ۸۰ فی صد، جب کہ مردوں کا ۲۰ فی صد ہے۔ دوسری جانب جرنل آف پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے مطابق میڈیکل کی تعلیم میں طالبات کا تناسب ۷۰ فی صد ہے اور ہر سال طالبات کے تناسب میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، کمی نہیں۔

مستقبل کا نقشہ کچھ یوں نظر آرہا ہے کہ اچھے اور ذمہ دار عہدوں پہ مردوں اور عورتوں کا تناسب عدم توازن کا شکار ہوگا۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد کافی زیادہ ہوگی، حتیٰ کہ مردوں کے علاج کے لیے بھی عمومی طور پہ زیادہ تر خواتین اسپیشلسٹ ڈاکٹر ہی میسر ہوں گی۔ اور گھریلو نظام چلانے کے لیے بھی عورت کی معاشی استعداد مرد سے زیادہ ہوگی۔

مندرجہ بالا صورتِ حال سے مستقبل میں معاشرے کا نقشہ اور توازن اُلٹ پلٹ ہوتا نظر آتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اعلیٰ تعلیم میں لڑکیوں کی پیش رفت کو تشویش کی نظر سے دیکھا جائے۔ ہرگز نہیں، اس کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ضرورت اس امر کی ہے کہ لڑکوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کے حصول اور پیشہ ورانہ تربیت کے مواقع میں اضافہ کیا جائے۔ بصورتِ دیگر تمام ملازمتوں پر بالخصوص اعلیٰ عہدوں پر ملازمت کے معیار کو زیادہ تر خواتین ہی پورا کریں گی۔ اس طرح معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ مرد کے کاندھوں سے کم ہوکر عورت کے کاندھوں پر بڑھنا شروع ہوجائے گا۔

مردوں کی معاشی ذمہ داری کا تقاضا

عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کو تو کسی حد تک یہ سکھایا جاتا ہے کہ ان کو دوسرے گھر جانا ہے، اس لیے دوسروں کو اپنی زندگی میں جگہ دینے کی استعداد پیدا کرنی چاہیے، جب کہ لڑکوں کی تربیت اپنی عملی زندگی اور بالخصوص خانگی زندگی کے بارے میں نہ ہونے کے برابر

ہوتی ہے۔ ہماری معاشرتی اُٹھان اور مردوں کی بیرون خانہ مصروفیات کے باعث گھریلو ذمہ داریاں عموماً عورت ہی کے کاندھوں پر ہوتی ہیں۔ پھر، جب کہ صورت حال یہ ہو کہ لڑکے تعلیم اور ہنر کے میدان میں پیچھے ہونے کے باعث معاشی میدان میں بھی پیچھے رہ رہے ہوں، تو مستقبل میں عورت کے کاندھوں پر بچوں کو پالنے، ان کی تربیت کرنے، گھر اور خاندان کے نظام کو چلانے اور شوہر اور سسرال والوں کی خدمت وغیرہ جیسے کام تو کہیں کم ہوتے نظر نہیں آرہے، کجا کہ معاش کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اس کے کاندھوں پر بڑھنا شروع ہوجائے۔

بظاہر صنف نازک ترقی کرتی نظر آرہی ہے لیکن درحقیقت وہ چکّی کے دونوں پاٹوں میں پس رہی ہوگی۔ گویا کہ وہ ایسی موم بتی کی مانند ہوگی، جو اپنے دونوں سروں سے جل رہی ہو اور اس طرح وہ ایک نئے اور کہیں زیادہ اذیت ناک استحصال کا شکار ہوجائے گی۔ اس کے برعکس دینِ اسلام تو مرد کو 'قوّام' قرار دیتا ہے۔ یہ 'قوامیت' اس بنیاد پر ہے کہ وہ اپنے خاندان کا معاشی اور معاشرتی بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار ٹھیرایا گیا ہے۔ لہٰذا، باوجود اس کے کہ عورت بھی اپنی بنیادی ذمہ داریاں ادا کرنے کے ساتھ، اللہ کی بتائی گئی حدود میں رہ کر معاشی میدان میں کام کرسکتی ہے، باوجود اس کے کہ عورت کتنا بھی کما کر لا رہی ہو، تب بھی مرد اپنی اس معاشی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

پیشہ ورانہ رہنمائی کا فقدان

دوسرا بڑا المیہ یہ ہے کہ نہ صرف تعلیم بلکہ اعلیٰ تعلیم تک کے لیے بھی کسی پیشہ ورانہ رہنمائی (کیریئر گائیڈنس) کا انتظام نہیں ہے، جس کے باعث بلاتخصیص مرد اور خواتین اپنے دائرۂ کار کو مدّنظر رکھے بغیر اکثر وبیش تر اندھا دھند صرف بھیڑ چال کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اپنے میدان کار کے انتخاب کے وقت دُور اندیشی سے نہ خود سوچتے ہیں اور نہ انھیں سمجھایا جاتا ہے کہ کون سے میدان کا انتخاب ان کی فطری اور لازمی ذمہ داریوں (mandatory role) سے مناسبت رکھتا ہے اور کون سا نہیں؟ اکثر خواتین اُن مضامین کو منتخب کرلیتی ہیں، جن کے اوقات کار ان کی فطری اور لازمی ذمے داری سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس طرح وہ اپنی اس تعلیم کا استعمال نہیں کرپاتیں اور اس پہ صرف کیا جانے والا وقت اور سرمایہ ضائع ہوتا ہے، یا پھر دوہری محنت کے باوجود دونوں جانب حق

ادا کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ اس دوہرے بوجھ سے یہ پڑھی لکھی خواتین نہ صرف طبعی اور نفسیاتی دباؤ کا شکار ہوتی ہیں، بلکہ ان کے بچے بھی مطلوبہ نگہداشت سے محروم رہتے ہیں اور اس کے مظاہر جب ان بچوں کی جوانی اور ازاں بعد سامنے آتے ہیں تو درستی کا کوئی دروازہ کھلا نہیں ملتا۔

درپیش چیلنج اور تقاضے

اس صورتِ حال میں سرکاری اور نجی شعبوں میں حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کچھ فوری اور ہنگامی بنیاد پر اور کچھ دوررس نتائج کے حامل اقدامات کی ضرورت ہے:

● **لڑکوں کے لیے بھی متوازی اداروں کا قیام:** اگرچہ یہ خوش آیند امر ہے کہ ہمارے ہاں 'ویمن ڈیولپمنٹ' (عورتوں کی ترقی) کا شعور گذشتہ دو عشروں میں بہت قوت سے اُجاگر ہوا ہے، حتیٰ کہ ملک کی بڑی یونی ورسٹیوں میں 'ویمن ڈویلپمنٹ' کے باقاعدہ شعبے بھی کھلے ہیں، مگر اس کے ساتھ 'مین ڈیویلپمنٹ' (مردوں کی ترقی) کی بھی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں مزید اضافہ ضروری ہے، تاکہ تمام اہل طلبہ وطالبات کے لیے داخلے ممکن ہوسکیں۔ خواتین یونی ورسٹیوں کے متوازی طلبہ کے لیے بھی یونی ورسٹیاں قائم کرنا بہت ضروری ہیں، تاکہ مقابلتاً پیچھے رہ جانے کے باعث کوئی بھی طالب علم اعلیٰ تعلیم سے محروم نہ رہے اور ہر اہل طالب علم کے لیے اعلیٰ تعلیم کا حصول ممکن ہوسکے اور معاشرے کی گاڑی کسی عدم توازن کا شکار ہوئے بغیر آگے بڑھتی رہے۔

● **لڑکوں کی تعلیم میں عدم دل چسپی کی وجوہ:** ہمارے ہاں یہ عمومی شکایت پائی جارہی ہے کہ لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکے تعلیم اور لکھنے پڑھنے میں بہت کم دل چسپی لیتے ہیں اور اس لیے وہ نتائج میں بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس مسئلے کو نظرانداز کرنے کے بجاے ہمارے شعبۂ تعلیم کے ذمہ داروں اور تعلیم سے متعلق تحقیقی اداروں کو اس بات کا جائزہ لینا چاہیے، کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام لڑکوں کی مطلوبہ درجے میں توجہ اپنی جانب مبذول نہیں کرا رہا؟

● **پیشہ ورانہ رہنمائی کی ضرورت:** اسکولوں سے لے کر اعلیٰ تعلیمی اداروں کی سطح تک مردوں اور عورتوں کے دائرۂ کار، کام کا بوجھ اٹھانے کی فطری استعداد اور فطری صلاحیت و رجحان کو جاننا ازبس ضروری ہے۔ بحیثیت مرد یا عورت اپنے فطری کردار کے ادراک کے حوالے سے

کیریئر گائیڈنس یا پیشہ ورانہ رہنمائی کا انتظام ہونا لازمی ضرورت ہے، تاکہ بھیڑ چال اور اندھی تقلید کے بجاے، ہر فرد سوچ سمجھ کر اپنے عملی میدان کا انتخاب اور مستقبل کی منصوبہ بندی کر سکے۔ اصولاً تو اس کیریئر گائیڈنس کو ہمارے نظام تعلیم میں ہی شامل ہونا چاہیے، مگر جب تک ایسا نہیں ہے، اس وقت تک تعلیمی، تربیتی اور تحقیقی کام کرنے والے افراد اور اداروں کو، رضاکارانہ طور پر مختصر دورانیے کے نصاب یا ریفریشر کورس تیار کرنے چاہییں۔ جن کے ذریعے طالب علموں کو نہ صرف ان کے رجحان اور استعداد کے مطابق بلکہ ان کی سماجی ذمہ داریوں کے متعلق بھی آگاہی دی جائے۔ ان کو اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق بتائے جائیں، تاکہ خاندان اور معاشرے میں اپنے کردار کا فہم ان کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے وقت اپنے مضامین کے انتخاب میں مدد دے سکے۔

● **ترجیحات متعین کرنے کی ضرورت:** شعبۂ تعلیم کے 'مراکز دانش' کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے تمام شعبوں میں اور بالخصوص پیشہ ورانہ تعلیم میں، اپنی قومی ترجیحات کا جائزہ لیں اور قومی ضرورت کے مطابق نشستوں کا تعین کریں، نہ کہ جبری کوٹہ سسٹم رائج کر کے کسی ایک طبقے میں احساس محرومی اور ردعمل پیدا ہو۔

● **خواتین کے لیے لچک دار اوقاتِ کار کی ضرورت:** ملازمت پیشہ خواتین کی سہولت اور تحفظ کے حوالے سے جو لچک دار قوانین اور اوقات (Flexible working hours) موجود ہیں، ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے، تاکہ جو تعلیم یافتہ خواتین معاشی عمل میں کردار ادا کر رہی ہیں، وہ اپنے گھر اور بالخصوص بچوں کی نگہداشت کے ساتھ اپنے کام کو انجام دے سکیں۔

● **'گھر سے کام' کی سہولت کی فراہمی:** 'گھر سے کام' (Work from home) کا تصور خصوصاً خواتین کے لیے بہت پُرکشش ہے اور یہ بہت سے ممالک میں رائج بھی ہے (اس سے مراد یہ ہے کہ بہت سے کام گھر پر ہی کر کے معاشی اور فنی عمل کا حصّہ بنا جائے)۔ ہمارے ہاں چند اداروں نے اس کو اپنایا ہے، لیکن اگر دیگر ادارے بھی اس کو ممکن بنائیں، تو خاندان اور گھرانے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے سے بچ سکیں گے۔

● **نئی نسل کی تعلیم و تربیت کو ترجیح دینے کی ضرورت:** ضرورت ہے کہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت کو معاشرے کے ایک عظیم کام کے طور پہ منوایا جائے۔ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ

خواتین چھوٹے بچوں کی پرورش اور نگہداشت اور گھریلو ذمہ داریوں کی ادایگی میں مصروف ہیں، ان کے کام کو بھی معاشرے میں ایک لائق تحسین کام کے طور پر تسلیم کرنا چاہیے۔ان کی فکری اور عملی مدد کرنے کو ترجیح دی جائے۔

●**حقیقی تصورِ تعلیم کو اُجاگر کرنے کی ضرورت:** تعلیم کے اس تصور کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے کہ اعلیٰ تعلیمی ڈگری کا استعمال صرف اچھی ملازمت،اعلیٰ عہدہ یا کوئی بھرپور کاروبار ہی میں ہوسکتا ہے۔اگر اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون کی معاشی ضروریات بغیر ملازمت کیے پوری ہو رہی ہیں، تو ان کو اپنا وقت، تعلیم اور صلاحیت معاشرے کی تعمیر و ترقی اور بھلائی کے کاموں میں رضاکارانہ صرف کرنا چاہیے۔ 'تعلیم براے روزگار' کے تصور سے بالا ہوکر تعلیمی، دعوتی اور سماجی خدمت کے کاموں کا حصّہ بننا چاہیے۔اس حوالے سے ہمارا معاشرہ بہت پیاسا ہے۔ یہاں ایسے افراد کی بہت ضرورت ہے، جو کسی بھی ذاتی مفاد اور معاشی فائدے سے بالاتر رہ کر قوم کی بھلائی اور بہتری کے لیے کام کریں۔

●**پس ماندگی دُور کرنے کی ضرورت:** دیہات میں پس ماندگی دُور کرنے اور فروغِ تعلیم کی ضرورت ہے۔اس کے لیے ٹھوس اقدامات اُٹھانے اور منصوبہ بندی ناگزیر ہے۔

اگر معاشرے کی اس بدلتی ڈگر اور عدم تناسب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عدم توازن کا ادراک نہ کیا گیا اور اس کے سد باب کی کوشش نہ کی گئی تو نہ صرف مرد نقصان میں رہیں گے، بلکہ عورت ہی سب سے زیادہ استحصال کا شکار ہوکر رہ جائے گی، اور چند ہی برسوں میں معاشرے میں ترجیحات کا توازن بگڑ جائے گا۔ایسی صورت حال میں نہ صحت مند معاشرہ پیدا ہوگا اور نہ قوم ترقی کی منازل طے کرسکے گی۔

اگر ہم اپنی آنے والی نسلوں کو متوازن اور صحت مند معاشرہ منتقل کرنا چاہتے ہیں، اور یقیناً ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں، تو پھر ہم اپنی انفرادی حیثیت میں بھی اور اگر ہم کسی ادارے یا کسی گروہ کے ذمہ دار ہیں، تو اس حیثیت میں بھی، مستقبل کے درپیش چیلنجوں کا آج ہی سے ادراک کریں۔اپنے معاشرے کی ترجیحات اور اقدار کو اُلٹ پلٹ ہونے سے بچانے کے لیے فوری اقدامات اٹھائیں۔ یہ دینی ذمہ داری بھی ہے اور قومی فرض بھی۔